مطالعۂ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

# سُوْرَۂ ہُوْد

## (آیات ۱-۵)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ
ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"الف، لام، را۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں اور پھر اُن کی تفصیل کی گئی اُس ہستی کی جانب سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں تمہارے لیے اُس کی جانب سے خبردار کرنے والا بھی ہوں اور بشارت دینے والا بھی۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو۔ وہ ایک مقرر مدت تک تمہاری ضروریات بہترین طور پر پوری فرمائے گا اور ہر مستحق فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا، اور اگر تم رُوگردانی کرو گے تو مجھے اندیشہ ہے تمہارے بارے میں ایک ہولناک دن کے عذاب کا! یقیناً اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دیکھو! یہ لوگ اپنے سینے دوہرے کیے لیتے ہیں تاکہ کسی طرح اُس سے چھپ سکیں۔ آگاہ رہو کہ یہ جب اپنے

کپڑے اپنے اوپر لپیٹ رہے ہوتے ہیں (اُس وقت بھی اُس کی نظر میں ہوتے ہیں۔) اس کے علم میں ہے جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ چھپاتے ہیں، اور وہ تو سینوں کے بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے"!

اِن آیات کا آغاز حروفِ مقطّعات 'الف لام را' سے ہوتا ہے جو اس گروپ کی پانچ سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں اور جن کے حقیقی اور واقعی مفہوم کو قطعی اور حتمی طور پر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اِس کے فوراً بعد قرآنِ حکیم کی عظمت کا بیان ہے اور یہ دراصل شرح ہے ان مختصر الفاظ کی جن سے اس سے پہلی سورت یعنی سورۃ یونس کا آغاز ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: "یہ ایک حکمت والی کتاب کی آیات ہیں"۔ اور یہاں مزید وضاحت کر دی گئی کہ قرآن کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ اس کی آیات پہلے پختہ اور محکم کی گئیں، یعنی چھوٹی چھوٹی آیتوں اور چھوٹی چھوٹی سورتوں میں حقائق و معارف اور معانی و مفاہیم کے دریا گویا کوزوں میں بند کر دیئے گئے اور پھر بڑی بڑی آیتوں اور طویل سورتوں میں ان ہی حقائق و معارف اور معانی و مفاہیم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ جیسے توحید کے بیان میں سورۃ الاخلاص کہ اپنے غایت درجہ اختصار کے باوصف بڑی بڑی سورتوں پر بھاری ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "ثلثِ قرآن" یعنی ایک تہائی قرآن کے ہم وزن قرار دیا ہے۔ اسی طرح 'راہِ نجات' اور اس کے مراحل و لوازم کے بیان کے ضمن میں سورۃ العصر جس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ "لو تدبر الناس ھٰذہ السُّورۃ لو سعتھم" یعنی اگر لوگ صرف اس ایک ہی سورت پر تدبّر کا حق ادا کر دیں تو یہ اُن کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہو جائے گی۔ بعد ازاں یہی مضامین ہیا جو طویل سورتوں میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوتے۔!

عظمتِ قرآن کے فوراً بعد مقصدِ قرآن کا بیان ہوا یعنی ایمان باللہ اور التزام توحید کی دعوت اور خاص طور پر عبادت اور بندگی کو خالصۃً اللہ ہی کے لیے مخصوص کر لینے کا اہتمام و التزام! واضح رہے کہ از روئے قرآن مجید انسان کی غایتِ تخلیق ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی بندگی اور عبادت کرے بفحوائے الفاظِ قرآنی: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔" (یعنی میں نے جنّوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں) بقول شیخ سعدیؒ ؎

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

چنانچہ یہی تمام انبیاء و رُسل کی دعوت کا مرکزی اور اساسی نکتہ رہا ہے کہ "اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ" یعنی "اللہ کی بندگی اور پرستش کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے!" اور یہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا وہ بنیادی نکتہ ہے جو قرآنِ حکیم کے بالکل آغاز میں چند تمہیدی مضامین کے فوراً بعد ان الفاظ میں بیان ہوا کہ: یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ - یعنی "اے لوگو! اے انسانو! اے بنی آدم! بندگی اور پرستش کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں!"۔ اب یہاں یہی بات سلبی اسلوب میں یعنی "لَا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ" (بندگی مت کرو اللہ کے سوا کسی اور کی!) کے الفاظ میں قرآن کے مقصدِ نزول کے طور پر بیان ہو رہی ہے!

جمہور ائمہ لُغت کے نزدیک "عبادت" کے معنی کسی کے سامنے عاجزی اور تذلّل اختیار کرنے کے ہیں یعنی کسی کے سامنے جھک جانا، پست ہو جانا، بلکہ واضح تر الفاظ میں اپنے آپ کو بچھا دینا۔ امام ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیّم رحمہما اللہ نے اللہ کی عبادت کے ضمن میں اس عاجزی اور تذلّل کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ بقول حافظ ابنِ قیّمؒ: العبادۃ تجمع اصلین: غایۃ الحب مع غایۃِ الذل والخضوع! ــــ یعنی عبادتِ الٰہی دو جڑوں یا بنیادوں پر قائم ہوتی ہے: ایک اللہ کی حد درجہ محبّت اور دوسرے اس کے سامنے انتہائی درجے کا تذلّل و انکسار! عبادت کے لوازم میں یقیناً اطاعتِ کاملہ بھی شامل ہے بلکہ اس کا جسدِ ظاہری اسی اطاعتِ کُلّی سے عبارت ہے ــــ لیکن اس کی رُوحِ باطنی محبّتِ خداوندی کا جذبہ ہے بقول علامہ اقبال مرحوم:

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا سجود بھی حجاب، میرا قیام بھی حجاب
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق　　عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

عبادتِ ربّ کے ساتھ ایمان بالرّسالت کا ذکر بھی ہو گیا: "میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے نذیر اور بشیر بن کر آیا ہوں"۔ یہ دو الفاظ مقصدِ بعثتِ انبیاء کے بیان کے ضمن میں قرآنِ مجید میں تکرار و اعادہ وارد ہوئے ہیں۔ جیسے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ؕ ــــ "اور اس قرآنِ کریم کو ہم نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور حق ہی کے

ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشیر و نذیر بنا کر!"

آگے اس تبشیر و انذار کی تفصیل بیان ہوئی ہے ـــــ یعنی یہ کہ اگر تم اللہ کی جناب میں استغفار کرو اور اُس کی طرف رجوع کرو جیسا کہ رجوع کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائیوں سے سرفراز فرمائے گا، چنانچہ اس دنیا میں بھی جب تک ہو گے متاعِ حسنہ سے نوازے جاتے رہو گے ـــ اور آخرت میں بھی اللہ کے فضلِ خاص سے حصّہ پاؤ گے، اور اگر اس کے برعکس اعراض و انکار اور تمرّد و استکبار کی رَوِش اختیار کرو گے جو عبادت اور عجز و تذلّل کے برعکس کیفیت ہے تو اس دنیا میں بھی اندیشہ ہے کہ تم پر کسی ہولناک دن میں اللہ کا عذابِ استیصال اچانک مُسلّط ہو جائے اور تم نیست و نابود کر دیئے جاؤ، جیسے اس سے پہلے بہت سی اقوام و اُممِ عالم ہو چکی ہیں۔ اور اس کے بعد جب اس دُنیا سے لوٹ کر تم اپنے ربّ کے حضور میں حاضر ہو تو وہاں بھی وہ تمہیں دردناک عذاب میں جھونک دے!

آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین و معاندین میں سے بعض لوگوں کی ایک عجیب کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں متکبّرین اور متمرّدین کے تمرّد و استکبار کا نقشہ کھینچا گیا ہے یعنی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دعوت دیتے اور قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے اور اپنے کپڑوں کو ٹھیک کر کے اپنے گرد لپیٹتے ہوئے چل دیتے ہیں، اس لیے کہ آنحضورؐ انہیں عذابِ الٰہی کی جو دھمکی سنا رہے ہیں وہ اُس سے بچنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت کی یہ تاویل بھی درست ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں ایک نقشہ اُن لوگوں کا بھی کھینچ دیا گیا ہے جو اپنے دل میں تو اس دعوت کے قائل ہو چکے ہیں اور اس کے علانیہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن چونکہ انھیں لذّاتِ دُنیوی نے اپنا اس قدر گرویدہ بنا لیا ہے اور وہ اپنی دولت و ثروت اور جاہ و حشمت کے اس درجہ قیدی بن چکے ہیں کہ اس دعوتِ حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں جس کے نتیجے میں انہیں فی الوقت آرام و آسائش کو تج کر تکلیف و مشقت مول لینی پڑتی ہے لہٰذا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کنّی کترا جانے ہی میں عافیت دیکھتے ہیں اور اپنی حماقت میں یہ بھی گمان کر رہے ہیں کہ اس طرح وہ اللہ سے بھی اپنے آپ کو چھپا لیں گے! حالانکہ یہ بے وقوف ان منافقوں کی طرح جو اپنے زعم میں تو اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دیتے ہیں (یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) لیکن اصلاً صرف خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتے ہیں (وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ) خود

ہی دھوکے میں آ گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تو خوب باخبر ہے اس سے بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور اس سے بھی جو وہ چھپاتے ہیں، اور وہ تو لوگوں کے سینوں میں چھپی ہوئی نیتوں اور دلوں میں مخفی عزائم اور ارادوں سے بھی اچھی طرح واقف ہے! —— یہ دراصل ایک نفسیاتی مرض ہوتا ہے اور اس میں بسا اوقات بڑے بڑے ذہین و فطین لوگ بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کی ایک مثال علمائے یہود کے بارے میں ملتی ہے کہ وہ آپس میں کہا کرتے تھے کہ تورات کی تعلیمات مسلمانوں کے سامنے نہ بیان کیا کرو، مبادا وہ تم پر اُن ہی کے حوالے سے خدا کے یہاں حجت قائم کر دیں: اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ یعنی "کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا رہے ہو جو اللہ نے تم پر کھولیں تاکہ وہ ان کے ذریعے تمہارے رب کے یہاں تمہارے ہی خلاف حجت قائم کریں؟ کیا عقل سے بالکل عاری ہو گئے ہو؟" —— اس پر قرآن حکیم نے بالکل وہی تبصرہ فرمایا جو یہاں فرمایا گیا ہے یعنی: اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ "کیا ان بے وقوفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے اس کو بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور اسے بھی جس کا یہ اعلانِ عام کر رہے ہیں؟" —— واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کی نیت میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور وہ سب کچھ جان کر بھی کچھ جاننا نہیں چاہتا تو اس کی عقل پر ایسے ہی پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ شُتر مرغ کے مانند ریت میں سر دے کر یہ سمجھتا ہے کہ بادِ سموم ٹل گئی، یا کبوتر کے مانند آنکھیں بند کر کے یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے کہ بلی موجود نہیں ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

## بقیہ: حرف اول

یقیناً برقرار رہے گی بلکہ اس میں اغلاط کا ہونا بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سید امین الحسن رضوی صاحب نے اپنے مضمون میں بعض ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے کہ جہاں ترجمہ کرتے ہوئے مناسب الفاظ کا انتخاب نہیں کیا گیا اور ترجمے کے طور پر انگریزی زبان کا جو لفظ لایا گیا ہے وہ عربی متن سے مناسبت نہیں رکھتا اور اس طرح وہ مفہوم ادا نہیں ہو پاتا کہ جو الفاظِ قرآنی سے متبادر ہوتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ جناب عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ کردہ الفاظ ہرگز 'حرفِ آخر' کا درجہ نہیں رکھتے' چنانچہ ان مقامات کی نظرثانی کے بعد اگر مناسب اصلاح کر دی جائے تو اس سے اس انگریزی ترجمے کی افادیت میں یقیناً خاطرخواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔